مجنوں گورکھپوری: فکشن کا عظیم نقاد

ڈاکٹر عبید اللہ چودھری
313، بسنت پور، پوسٹ، گیتا پریس گورکھپور (یوپی)، موبائل: 9235895921

احمد صدیق مجنوں گورکھپوری اردو فکشن کا ایک عظیم نام ہے۔ان کی ولادت ۱۵ر مئی ۱۹۰۴ء کو ضلع بستی کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ابتدائی تعلیم ان کی دادی کے زیرِ سایہ منجھر یا میں ہوئی۔دادی دینی تعلیم سے آراستہ تھیں۔یہی وجہ تھی کہ احمد صدیق کی ابتدائی تعلیم کی شروعات اردو فارسی اور عربی میں ہوئی۔علاوہ ازیں انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گورکھپور آئے۔گورکھپور ان کا نانیہال تھا یہاں سے سینٹ اینڈ ریوز کالج سے ۱۹۲۱ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔علی گڑھ سے انٹرمیڈیٹ ۱۹۲۹ء میں اور ۱۹۳۵ء میں وہ آگرہ گئے اور وہاں کی یونیورسٹی سے انگریزی اور اردو میں امتیازی حیثیت سے ایم۔اے۔کیا۔اس کے بعد وہ گورکھپور آکر سینٹ اینڈ ریوز کالج میں انگریزی اور اردو کے اُستاد ۱۹۵۸ء تک رہے۔اس کے بعد وہ علی گڑھ آئے اور وہاں علی گڑھ تاریخ ادب پروجیکٹ میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر (Asistand Directori) کی خدمات پر فائز کیے گئے۔ ۱۹۶۸ء میں وہ پاکستان چلے گئے۔ وہاں ۱۹۷۸ء تک کراچی یونیورسٹی میں اعزازی پروفیسر رہے۔

مجنوں گورکھپوری کی شادی ۱۴راکتوبر ۱۹۲۶ء کو ہوئی تھی۔اولاد میں تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔۴ر جون ۱۹۸۸ کو کراچی میں انھوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ہندوستان میں اردو افسانے کے ابتدائی دور میں احمد صدیق مجنوں گورکھپوری کا نام امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔مجنوں کے افسانے اپنے عہد کے پسندیدہ معروف افسانوں میں شامل تھے۔وہ رومان پسند افسانہ نگار تھے۔ان کے افسانوں کا بنیادی موضوع عورت اور محبت ہے اور یہ وہ رومان کی آغوش میں 'سکون' تلاش کرتے ہیں۔جہاں کا ہر ذرّہ رومان کے جذبے میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ان کا عشق ہی رومان ہے اور رومان ہی عشق ہے۔مجنوں گورکھپوری کا خیال ہے کہ عورت محبت کے لیے پیدا ہوتی ہے،اس کی پرستش کے لیے محبت کا جذبہ فطری ہے۔مجنوں کے افسانوں کے کردار اور ماحول گاؤں کی دیہاتی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔وہ درمیانی طبقے کے رہن سہن اور ان کے مسائل کی بہت منظّم اور بہتر تصویر کشی کرتے ہیں۔رومانیت اور جذباتیت کے ساتھ ساتھ ان کے افسانوں میں فکر و عمل کا میلان بھی غالب نظر آتا ہے۔مجنوں کے افسانوں میں مغربی افسانہ نگاروں کے اثرات بھی جا بجا بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری نے مارشل، فرائڈ، موپاساں اور تھامس ہارڈی سے متاثر ہوکر افسانے رقم کیے ہیں۔جن میں بھرپور رومانیت جلوہ گر ہے۔اس کے باوجود بھی انھوں نے اپنے افسانوں میں مشرقی تہذیب و تمدّن کو کہیں بھی مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ علاقائی و مقامی رنگ و آہنگ کے ماحول کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ اس کی دلکشی بڑھ گئی ہے۔ان کا طرز و اسلوب بالکل منفرد اور نیا ہے۔

احمد صدیق مجنوں گورکھپوری کی شخصیت اردو دنیا میں محتاج تعارف نہیں ہے۔اردو فکشن کے حوالے سے جب ہندوستان کے فکشن نگاروں کی تاریخ رقم کی جائے گی تو پریم چند کے ساتھ ساتھ دیگر افسانہ نگاروں میں مجنوں گورکھپوری کا نام بھی شامل کیا جائے گا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو زبان و ادب میں صنفِ افسانہ نگاری کی خاصی اہمیت ہے۔ادب کی دوسری صنفوں کی طرح صنف افسانہ بھی انسانی معاشرے سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ بلکہ افسانہ اور زندگی کے رشتے اتنے مربوط و مضبوط ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے کسی طرح بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔حقائقِ حیات اور واقعاتِ زندگی ہی افسانے کو توانائی اور تابنا کی عطا کرتے ہیں۔افسانہ نگار اپنے عہد کی معاشرتی سرگرمیوں تاریخی تغیرات اور واقعاتی نشیب و فراز کا مطالعہ و مشاہدہ ہی نہیں کرتا ذاتی سطح پر ان سے گزرتا ہے جھیلتا ہے برداشت کرتا ہے اور ان سے حاصل ہونے والے تجرباتی تاثرات کو ایک خاص فنّی بصیرت اور فکری لگاؤ کے ساتھ افسانوی اسلوب میں منتقل کر دیتا ہے۔افسانوں میں بالخصوص رومانیت کو مغربی خیالات سے ہم آہنگ کرانے میں مجنوں کے افسانوں نے بے حد اہم رول ادا کیا ہے۔مجنوں کے دو ہی افسانوی مجموعے ''سمن پوش'' اور ''خواب و خیال''

خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔ کہانیاں رومانیت سے لبریز ہیں۔ مجنوں گورکھپوری اپنے افسانوی مجموعے میں رقمطراز ہیں: ''میں نے کبھی اپنے افسانوں میں قصد و اہتمام کے ساتھ کوئی نکتہ یا عقدہ نہیں پیش کیا، لیکن زندگی کی تلخ حقیقتوں کو نظر کے سامنے ضروری رکھتا ہوں۔ مشاہدہ اور مطالعہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ زندگی کی تلخ ترین حقیقت محبت ہے جو اور حقیقتوں پر محیط ہے چنانچہ میرے بیشتر افسانے محبت کے افسانے ہیں۔''

مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں گاؤں کی زندگی اپنے پورے شباب کے ساتھ نظر آتی ہے۔ گاؤں کے ہر فرد کی زندگی پر مجنوں گورکھپوری کی گہری ناقدانہ نظر پڑتی ہے اور مجنوں گورکھپوری کا قلم ان احساسات اور جذبات کو پیش کرنے میں کمال حاصل کرتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری کے افسانوں کا مطالعہ کرنے سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ مجنوں گورکھپوری حسن پرست ہیں اور وہ حسن کو حسن کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور تمام متاع حیات اس پر قربان کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اس جذبۂ بے اختیار کو ناقدانہ اور فلسفیانہ نظریات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اس کو اپناتے ہیں جو حیاتِ انسانی کا گہرائی سے مطالعہ و تجزیہ کرتا ہے۔

احمد صدیق مجنوں گورکھپوری ترقی پسند ادب کے اہم ترجمان میں سے تھے۔ موصوف نے افسانے، ڈرامے، مضامین اور شاعری میں اپنا مخصوص اندازِ فکر ثابت کیا ہے، لیکن ان کی اصل شہرت تنقید نگاری کے میدان میں رہی ہے، وہ ادب کو زندگی کا ترجمان ہی نہیں بلکہ نقاد بھی قرار دیتے ہیں۔ ان کی تنقیدی کتب میں ''ادب اور زندگی'' نقوش و افکار ''تنقیدی حاشیے''، ''نکاتِ مجنوں'' اور ''دوشِ فردا'' خاصی اہمیت کے حامل ہیں انھوں نے تاریخ جمالیات پر بھی قلم اُٹھایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج تک جتنے بھی انسانی تاریخ کے حوالے سے رونما ہوئے ان کا تعلق بنیادی اعتبار سے مادّی اور اقتصادی رہا ہے۔ مجنوں گورکھپوری نے اپنے تنقیدی رویوں کو اسی محور پر رکھا ہے، وہ ادب اور ادبی نظریات کو زندگی کی تمام تر اقدار سے مربوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ ادب بھی زندگی کا ایک شعبہ ہے اور زندگی نام ہے ایک جدلیاتی حرکت (Dialectic Process) کا۔ اس کے بھی دو متضاد رُخ ہیں ایک تو خارجی یا علمی یا افادی اور دوسرا داخلی۔ جمالیاتی حُسن کے ادیب کا کام یہ ہے کہ وہ ان متضاد میلانات کے درمیان توازن اور ہم آہنگی قائم رکھے۔ اس ضمن میں مجنوں گورکھپوری ''ادب اور زندگی'' میں رقمطراز ہیں: ''ادب حال کا آئینہ ضرور ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مستقبل کا اشاریہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لیے بیک وقت واقفیت اور تخلیقیت، افادیت اور جمالیات، اجتماعیت اور انفرادیت سب کی ضرورت ہے۔ ماحول ادیب کو پیدا کرتا ہے۔ فکرادیب کی ماحول کی مطابقت سے ازسرِ نو تعمیر میں مدد کرتا ہے۔ ادب بیک وقت حال کی آواز اور مستقبل کی بشارت ہے۔ سب سے بڑا ادیب وہ ہے جو حال اور مستقبل کو ہم آہنگ بنا کر پیش کرے۔ (ادب اور زندگی، مجنوں گورکھپوری، ص:۶۴۔۶۵)

مجنوں گورکھپوری کی تحریریں اور ان کے تنقیدی نظریے سیاسی نعرے بازی اور پروپیگنڈے سے پاک ہیں ان کی فکر میں اشتراکی فکر کی سطحیت نہیں بلکہ گہرائی اور گیرائی ہے۔ انھوں نے مارکسی نظریات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔ انسان کے خیالات اور جذبات ماحول کی پیداوار ہوا کرتے ہیں۔ مجنوں گورکھپوری کی تنقید نگاری میں اہلِ مغرب کے طرز تخیّل و تفکّر کے ساتھ مشرقی اقدار اور مشرقی فکر کی بھی بھرپور جھلکیاں ملتی ہیں۔ مجنوں گورکھپوری کی تنقید نگاری نے ترقی پسند تنقید کو جلا بخشی ہے۔ معروف محقق اور نقاد پروفیسر فضل امام رضوی اپنے ایک مقالہ ''مجنوں گورکھپوری ایک مطالعہ'' میں رقمطراز ہیں: ''مجنوں گورکھپوری صحیح معنوں میں ایک نفسیاتی نقاد تھے۔ انھوں نے شیکسپیئر کے ڈرامے کنگ لیئر۔ آسکر ورنڈ، کے سلوی اور برنارڈ شا کی تصنیف آغازِ ہستی کے ترجمے بھی کیے۔ بعض روشن خیال خواتین کو مخاطب کر کے انھوں نے جو خطوط لکھے ان میں ادب و شعر اور علوم و فنون کے لیے بے شمار مسائل اور گہرے رموز و نکات پر بے باکانہ انداز سے بحث کی ہے۔ مجنوں گورکھپوری کا اندازِ نگارش سنجیدہ متین اور باعظمت ہے۔ وہ سیدھے سادے انداز میں دقیق سے دقیق مسائل اور پیچیدہ سے پیچیدہ گتھیوں کو آسانی سے ذہنوں میں منتقل کردیتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بڑا ہی وسیع تھا۔ مجنوں گورکھپوری کے ذہن میں ہر لمحہ انقلابی لہر پیدا ہوتی رہتی ہے۔ وہ موجودہ تہذیب و تمدن کی روش سے بیزار تھے۔ وہ ادب کو جذبہ کی شکل میں ڈھالنے کے لیے کوشاں تھے۔ وہ زبان سے زیادہ خیال اور مضمون کی اہمیت پر زور دیتے تھے۔ مجنوں گورکھپوری نے اردو تنقید کے انداز و معیار کو تبدیل کر کے اپنی تنقیدی تحریروں کے ذریعہ گہرے فلسفیانہ شعور کو بیدار کیا۔ ان کے یہاں تنقیدی انتہا پسندی کی جھلک نہیں ہے۔ ان کی تحریروں میں توازن اور اعتدال بہرحال قائم رہتا ہے۔ وہ اپنی بات بہت سلیقے اور شعور سے پیش کرتے ہیں۔ اظہارِ خیال کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اردو فکشن کے منفرد نقاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔''

○○

○○